QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

جدید سیاسی مظاہر اور قرآن کا نظامِ حکمرانی: ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

Modern Political Phenomena and the Qur'anic System of Governance: A Research-Based and Analytical Study

Abdul Ghafoor
MPhil Scholar, Department of Islamic Studies, Government College University Faisalabad (GCUF), Pakistan.
Email: akashan09@gmail.com
Shahid Wali Ullah
Lecturer in Islamic Studies, Punjab Group of Colleges, Silanwali, Sargodha, Pakistan.
Email: shareef7677@gmail.com
Dr. Tahmina Fazil
Assistant Professor, University of Education, Vehari Campus, Pakistan.
Email: *tahminafazil@ue.edu.pk*
Email: *tahminafazil261@gmail.com*

Abstract

The contemporary political landscape is characterized by rapidly changing forms of governance, representative institutions, constitutionalism, electoral politics, political parties, expanding conceptions of human rights, and persistent challenges such as authoritarianism, corruption, abuse of power, and political instability. These developments have generated important questions concerning the relationship between modern political institutions and the normative principles of governance articulated in the Qur'an. This study critically examines modern political phenomena in the light of the Qur'anic framework of governance, without assuming a simplistic equivalence between historically developed political models and Qur'anic political principles. It explores the foundational concepts of divine sovereignty, human vicegerency, justice, consultation, trust, responsibility, and political accountability. Particular attention is given to the relationship between democratic representation and shūrā, constitutional government and the rule of law, electoral politics and peaceful transfer of authority, as well as the Qur'anic response to political oppression, corruption, and misuse of public office. The study further investigates human dignity, religious and social plurality, minority protection, and their relevance to governance in contemporary plural societies. Employing a qualitative, analytical, and interpretive methodology, the research draws primarily upon Qur'anic texts and relevant Prophetic teachings while engaging the broader conceptual requirements of contemporary governance. It argues that the Qur'an does not prescribe a single detailed institutional model for every historical context; rather, it establishes enduring moral, legal, and political principles by which political authority and institutions may be evaluated. The study concludes that a contemporary Qur'anically informed system of governance requires institutional accountability, justice, meaningful consultation, protection of rights, responsible exercise of authority, and mechanisms preventing political power from becoming arbitrary or oppressive.

***Keywords**: Qur'anic Governance, Divine Sovereignty, Khilāfah, Shūrā, Justice, Political Accountability, Democracy, Rule of Law, Human Rights, Contemporary State*

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

تعارفِ موضوع

جدید عہد میں سیاست اور ریاست کے تصورات میں غیر معمولی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ جمہوریت، عوامی نمائندگی، تحریری آئین، انتخابات، سیاسی جماعتیں، قانون کی حکمرانی، بنیادی انسانی حقوق اور اقتدار کی پُرامن منتقلی جدید سیاسی نظم کے نمایاں مباحث بن چکے ہیں۔ دوسری جانب سیاسی استبداد، بدعنوانی، اختیارات کا ناجائز استعمال، ادارہ جاتی کمزوری، مذہبی و سماجی تکثیریت اور اقلیتوں کے حقوق جیسے مسائل نے نظامِ حکمرانی کے اخلاقی اور اصولی پہلوؤں کو مزید اہم بنادیا ہے۔ ایسے حالات میں یہ سوال بنیادی اہمیت اختیار کرتا ہے کہ قرآنِ مجید سیاسی اقتدار، حکمرانی اور اجتماعی نظم کے لیے کون سے اصول فراہم کرتا ہے اور ان اصولوں کا جدید سیاسی مظاہر کے ساتھ علمی و تجزیاتی مطالعہ کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ زیرِ نظر مقالہ اسی بنیادی مسئلے کا تین مباحث اور نو ذیلی عنوانات کے تحت جائزہ لیتا ہے۔ مبحث اول میں قرآن کے نظامِ حکمرانی کی فکری و اصولی بنیادوں کو واضح کرتے ہوئے حاکمیتِ الٰہیہ، انسانی خلافت، سیاسی اقتدار، عدل، شوریٰ، امانت اور حکمران و رعایا کی سیاسی ذمہ داریوں کا مطالعہ کیا جائے گا۔ مبحث دوم میں جمہوریت اور عوامی نمائندگی، آئین اور قانون کی حکمرانی، سیاسی جماعتوں، انتخابات اور انتقالِ اقتدار جیسے جدید سیاسی مظاہر کا قرآنی اصولوں کے ساتھ تقابلی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔ مبحث سوم میں سیاسی استبداد، بدعنوانی، انسانی حقوق، مذہبی و سماجی تکثیریت، اقلیتوں کے تحفظ اور جدید ریاست میں قرآنی اصولِ حکمرانی کی عملی تشکیل کے امکانات اور مشکلات کا جائزہ لیا جائے گا۔ مطالعے میں یہ امتیاز ملحوظ رکھا جائے گا کہ قرآن کے دائمی اخلاقی و اصولی احکام اور جدید سیاسی اداروں کی تاریخی و انتظامی صورتوں کو بلا دلیل ایک دوسرے کا عین مترادف قرار نہ دیا جائے، بلکہ ان کے باہمی تعلق کو علمی، اصولی اور تنقیدی بنیادوں پر سمجھا جائے۔

مبحث اول: قرآن کے نظامِ حکمرانی کی فکری و اصولی بنیادیں

قرآنِ مجید نظامِ حکمرانی کو محض اقتدار کے حصول، حکومت کے قیام یا سیاسی غلبے کے تناظر میں پیش نہیں کرتا، بلکہ اسے اخلاقی ذمہ داری، عدل، امانت اور جواب دہی کے جامع تصور سے وابستہ کرتا ہے۔ قرآنی تعلیمات میں حقیقی حاکمیت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، جبکہ انسان زمین میں ذمہ دار اور جواب دہ حیثیت رکھتا ہے۔ اسی بنا پر سیاسی اختیار مطلق اور بے قید حق نہیں بلکہ ایک ذمہ دارانہ امانت ہے۔ اس مبحث میں حاکمیتِ الٰہیہ اور انسانی خلافت کے باہمی تعلق، عدل و شوریٰ اور امانت کی اصولی حیثیت، نیز حکمران اور رعایا کے حقوق و ذمہ داریوں کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا۔

1۔ حاکمیتِ الٰہیہ، انسانی خلافت اور سیاسی اقتدار کا قرآنی تصور

قرآنی فکر میں سیاسی اقتدار کی تفہیم کا نقطۂ آغاز اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور انسان کی ذمہ دارانہ حیثیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کائنات کا حقیقی مالک اور صاحبِ حکم ہے، جبکہ انسان کو زمین میں اختیار کے ساتھ اخلاقی ذمہ داری بھی دی گئی ہے۔ لہٰذا انسانی سیاسی اقتدار کو نہ تو مطلق حاکمیت قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ اسے جواب دہی سے آزاد اختیار سمجھا جاسکتا ہے۔

حکم اور حاکمیت کی بنیادی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بیان کرتے ہوئے سورۃ یوسف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنِ ٱلْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ ٱلدِّينُ ٱلْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾[1]

ترجمہ: حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اس آیت میں «إِنِ ٱلْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ» کے ذریعے حکم کی بنیادی اور اعلیٰ نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ آیت کے سیاق میں توحید اور عبادت بنیادی موضوع ہیں، اس لیے اسے جدید ریاستی اداروں کی مکمل ساخت کا براہِ راست بیان قرار دینا درست نہیں؛ تاہم یہ اصول ضرور سامنے آتا ہے کہ انسان اخلاقی اور شرعی اعتبار سے مطلق العنان نہیں۔ سیاسی سطح پر اس اصول کا اہم نتیجہ یہ ہے کہ حکمران، پارلیمان، جماعت یا عوام میں سے کسی کو ایسا غیر محدود اختیار حاصل نہیں جسے عدل، اخلاق اور خدا کے سامنے جواب دہی سے بالاتر تصور کیا جائے۔ حاکمیتِ الٰہیہ کا قرآنی تصور اس اعتبار سے انسانی سیاسی اقتدار کی تحدید کرتا ہے کہ اقتدار بذاتِ خود خیر نہیں بلکہ اس کا جواز اس کے عادلانہ اور ذمہ دارانہ استعمال سے وابستہ ہے۔ جدید ریاست میں اس اصول کی ادارہ جاتی صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں، لیکن کسی بھی سیاسی نظم کو ظلم، خیانت اور انسانی حقوق کی پامالی کے لیے مطلق اختیار کا جواز فراہم نہیں کرنا چاہیے۔

---

1 Yūsuf, 12:40.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

انسان کی زمینی ذمہ داری اور خلافت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ میں فرماتا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّى جَاعِلٌ فِى ٱلْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾2

ترجمہ :اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا :بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

اس آیت میں انسان کی زمینی حیثیت کو خلافت کے تصور سے وابستہ کیا گیا ہے۔ مفسرین نے «خَلِيفَةً» کی تعبیر میں مختلف پہلو بیان کیے ہیں، اس لیے اس لفظ سے کسی ایک مخصوص جدید سیاسی نظام کو براہِ راست اخذ کرنا علمی طور پر محتاط رویہ نہیں ہوگا۔ البتہ قرآن کے مجموعی تصورِ انسان کی روشنی میں یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ انسان کو زمین میں اختیار کے ساتھ ذمہ داری بھی حاصل ہے۔ سیاسی فکر کے تناظر میں خلافت کا یہ پہلو اقتدار کو ملکیت کے بجائے ذمہ داری کے طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ حکمران یا سیاسی ادارہ زمین اور انسانوں پر غیر مشروط تصرف کا مالک نہیں، بلکہ اسے اپنے اختیار کے استعمال میں عدل، امانت اور اجتماعی خیر کو پیشِ نظر رکھنا ہوتا ہے۔ یہی تصور سیاسی اقتدار کے اخلاقی جواز کو اس کے عملی کردار سے مربوط کرتا ہے: اقتدار اگر اصلاح، حقوق کے تحفظ اور عدل کا وسیلہ بنے تو اپنی ذمہ دارانہ غایت پوری کرتا ہے، اور اگر ظلم وفساد کا ذریعہ بن جائے تو خلافت کی اخلاقی روح سے متصادم ہو جاتا ہے۔

سیاسی اقتدار کی آزمائشی اور ذمہ دارانہ نوعیت کو مزید واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ ص میں حضرت داؤد علیہ السلام سے فرماتا ہے:

﴿يَٰدَاوُۥدُ إِنَّا جَعَلْنَٰكَ خَلِيفَةً فِى ٱلْأَرْضِ فَٱحْكُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِٱلْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ ٱلْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ﴾3

ترجمہ :اے داؤد !بے شک ہم نے آپ کو زمین میں صاحبِ اقتدار بنایا، پس لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجیے اور خواہشِ نفس کی پیروی نہ کیجیے، ورنہ وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔

یہ آیت سیاسی اختیار اور عدل کے تعلق کو نہایت واضح انداز میں سامنے لاتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اختیار عطا کرنے کے فوراً بعد «فَٱحْكُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِٱلْحَقِّ» کا حکم دیا گیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقتدار کا مقصد محض حکم چلانا نہیں بلکہ حق کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔ مزید برآں خواہشِ نفس کی پیروی سے ممانعت اس حقیقت کو نمایاں کرتی ہے کہ صاحبِ اقتدار کے ذاتی مفادات، جذبات اور خواہشات حکمرانی کے جائز معیار نہیں بن سکتے۔ معاصر سیاسی تناظر میں یہ اصول شخصی آمریت، اقربا پروری، سیاسی انتقام اور سرکاری اختیار کو ذاتی یا جماعتی مفادات کے لیے استعمال کرنے کی نفی کرتا ہے۔ یوں قرآنی تصور میں سیاسی اقتدار ایک محدود، اخلاقی اور جواب دہ اختیار ہے۔ حاکمیتِ الٰہیہ اسے اعلیٰ اخلاقی معیار کے تابع کرتی ہے، انسانی خلافت اسے ذمہ داری قرار دیتی ہے اور حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم اس کے عملی مقصد کو عدل وانصاف کے قیام سے وابستہ کر دیتا ہے۔

2۔ عدل، شوریٰ اور امانت: قرآنی نظامِ حکمرانی کے بنیادی اصول

قرآنی نظامِ حکمرانی میں سیاسی اقتدار کی صحت اور مشروعیت کا تعلق محض اقتدار حاصل کرنے سے نہیں بلکہ اس کے عادلانہ، مشاورتی اور امانت دارانہ استعمال سے ہے۔ عدل ریاستی فیصلوں اور حقوق کی ادائیگی کا بنیادی معیار، شوریٰ اجتماعی معاملات میں مشاورت و شرکت کا اصول، جبکہ امانت حکومتی مناصب اور اختیارات کے ذمہ دارانہ استعمال کی بنیاد ہے۔ یہ تینوں اصول باہم مل کر ایسے سیاسی نظم کی تشکیل کرتے ہیں جس میں اقتدار ذاتی مفاد کے بجائے اجتماعی خیر اور جواب دہی کے تابع رہتا ہے۔

عدل اور امانت کو حکمرانی کے ساتھ براہِ راست مربوط کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ النساء میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّواْ ٱلْأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِٱلْعَدْلِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِۦٓ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ سَمِيعًۢا بَصِيرًا﴾4

ترجمہ :بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حق داروں کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تمہیں نہایت اچھی نصیحت کرتا ہے۔ یقیناً اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔

---

2 Al-Baqarah, 2:30.
3 Ṣād, 38:26.
4 Al-Nisāʾ, 4:58.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

اس آیت میں امانت اور عدل کو ایک ہی ہدایت میں جمع کیا گیا ہے، جو نظامِ حکمرانی کے لیے غیر معمولی اصولی اہمیت رکھتا ہے۔ سیاسی منصب، سرکاری اختیار، قومی وسائل اور عوامی ذمہ داری کو امانت کے وسیع مفہوم کے تحت دیکھا جائے تو اقتدار ذاتی ملکیت نہیں رہتا بلکہ ایک سپرد کردہ ذمہ داری بن جاتا ہے۔ «أَن تُؤَدُّواْ ٱلْأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا» اہلیت اور حق دار تک ذمہ داری پہنچانے کی اہمیت کو نمایاں کرتا ہے، جبکہ «أَن تَحْكُمُواْ بِٱلْعَدْلِ» اقتدار کے عملی استعمال کا معیار متعین کرتا ہے۔ جدید سیاسی نظم میں اس اصول کا تعلق میرٹ، شفاف تقرری، غیر جانب دار انتظامیہ، عدالتی انصاف اور عوامی وسائل کے دیانت دارانہ استعمال سے قائم کیا جا سکتا ہے۔ اگر حکومتی مناصب ذاتی تعلق، سیاسی وفاداری یا ناجائز مفاد کی بنیاد پر تقسیم ہوں، یا ریاستی اختیار مخصوص طبقے کے فائدے کے لیے استعمال ہو، تو یہ امانت اور عدل دونوں کی روح کے منافی ہو گا۔ یوں قرآن منصب کے حصول سے زیادہ اس کی اہلیت اور ذمہ دارانہ ادائیگی کو اہمیت دیتا ہے۔

اجتماعی معاملات میں مشاورت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ الشوریٰ میں اہلِ ایمان کی صفت بیان فرماتا ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ ٱسْتَجَابُواْ لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ﴾5

ترجمہ :اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کا حکم قبول کیا، نماز قائم کی، ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت میں «وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ» اہلِ ایمان کی اجتماعی زندگی کی ایک نمایاں صفت کے طور پر آیا ہے۔ شوریٰ کا مفہوم محض حکمران کے لیے اختیاری مشورہ حاصل کرنے تک محدود نہیں رہتا، بلکہ اجتماعی معاملات میں متعلقہ افراد کی رائے، تجربے اور اجتماعی مصلحت کو اہمیت دینے کی اصولی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ قرآن کسی مخصوص پارلیمانی ڈھانچے، انتخابی طریقۂ کار یا جدید جمہوری ادارے کی تفصیلات یہاں بیان نہیں کرتا، اس لیے شوریٰ اور کسی موجودہ سیاسی نظام کو بلا امتیاز مترادف قرار دینا مناسب نہیں۔ تاہم جدید ریاست میں نمائندہ ادارے، پارلیمانی مباحث، ماہرین سے مشاورت، مقامی نمائندگی اور فیصلہ سازی کے شفاف طریقے شوریٰ کی غایت کو ادارہ جاتی صورت دینے کے ممکنہ ذرائع ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ مشاورت حقیقی ہو اور محض رسمی توثیق کا ذریعہ نہ بن جائے۔ اس طرح شوریٰ سیاسی اختیار کو انفرادی خود رائی سے نکال کر اجتماعی تدبر، شرکت اور ذمہ دارانہ فیصلہ سازی سے مربوط کرتی ہے۔

عدل کے معاملے میں ذاتی یا گروہی جذبات سے بلند ہونے کی تعلیم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ المائدہ میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُواْ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلْقِسْطِۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُواْۚ ٱعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾6

ترجمہ :اے ایمان والو !اللہ کے لیے مضبوطی سے قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو، یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

یہ آیت عدل کو سیاسی پسند و ناپسند، گروہی وابستگی اور مخالفت سے بالاتر اصول قرار دیتی ہے۔ حکمرانی میں عدل کی اصل آزمائش اسی وقت سامنے آتی ہے جب فیصلہ اپنے سیاسی حامی، مخالف، اکثریت، اقلیت یا کمزور طبقے کے بارے میں کرنا ہو۔ قرآن دشمنی کو بھی ناانصافی کا جواز تسلیم نہیں کرتا۔ اس اصول کی روشنی میں ریاستی قانون اور انتظامیہ کا معیار یہ ہونا چاہیے کہ شہریوں کے ساتھ سیاسی وابستگی، سماجی حیثیت یا ذاتی تعلق کی بنیاد پر امتیازی سلوک نہ کیا جائے۔ حکمران جماعت اگر سرکاری اداروں کو مخالفین کے خلاف استعمال کرے، احتساب کو انتخابی بنیادوں پر نافذ کرے یا اپنے حامیوں کے لیے قانون کے مختلف معیار قائم کرے تو یہ قرآنی عدل کے بنیادی تقاضے سے متصادم ہو گا۔ اس طرح عدل، شوریٰ اور امانت الگ الگ اخلاقی تصورات نہیں بلکہ ایک مربوط نظام تشکیل دیتے ہیں :امانت اقتدار کی نوعیت متعین کرتی ہے، شوریٰ فیصلہ سازی کے اجتماعی کردار کو واضح کرتی ہے اور عدل اقتدار کے عملی استعمال کا بنیادی معیار فراہم کرتا ہے۔

5 Al-Shūrā, 42:38.
6 Al-Māʾidah, 5:8.

3۔ حکمران اور رعایا کے حقوق، ذمہ داریاں اور سیاسی جواب دہی

قرآنی نظامِ حکمرانی میں حکمران اور رعایا کا تعلق یک طرفہ اقتدار و اطاعت پر قائم نہیں، بلکہ حقوق، ذمہ داریوں اور جواب دہی کے باہمی نظام سے وابستہ ہے۔ صاحبِ اقتدار پر عدل، امانت اور حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، جبکہ شہریوں سے اجتماعی نظم کی پاسداری اور معروف میں ذمہ دارانہ تعاون مطلوب ہے۔ اس تصور میں نہ حکمران کو غیر محدود اختیار حاصل ہے اور نہ سیاسی اطاعت کو ہر حال میں غیر مشروط قرار دیا جاسکتا ہے۔

سیاسی و اجتماعی نظم میں اطاعت اور اختلاف کی صورت میں اعلیٰ اصول کی طرف رجوع کی بنیاد بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ النساء میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا﴾7

ترجمہ :اے ایمان والو !اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے صاحبانِ امر کی بھی؛ پھر اگر کسی چیز میں تمہارے درمیان اختلاف ہوجائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی اچھا ہے۔

اس آیت میں اجتماعی نظم کے لیے اولی الامر کی اطاعت کا اصول موجود ہے، لیکن اسے اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے الگ ایک مطلق سیاسی اختیار کے طور پر پیش نہیں کیا گیا۔ آیت کا دوسرا حصہ اختلاف کی صورت میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کا حکم دے کر سیاسی اقتدار کے لیے ایک بالاتر اخلاقی و شرعی معیار متعین کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی سیاسی فکر میں نظمِ اجتماعی اور اقتدار کا احترام ضروری ہونے کے باوجود حکمران ،کو ایسا غیر محدود اختیار حاصل نہیں جس کے ہر فیصلے کو محض منصب کی وجہ سے حق تصور کرلیا جائے۔ جدید ریاستی تناظر میں یہ اصول آئینی حدود قانونی جواب دہی اور اقتدار پر مؤثر نگرانی کی ضرورت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ اسی طرح رعایا یا شہریوں کی ذمہ داری بھی صرف حقوق کے مطالبے تک محدود نہیں رہتی،بلکہ جائز اجتماعی نظم، قانون اور معاشرتی ذمہ داریوں کی پاسداری بھی اس کا حصہ بنتی ہے۔ یوں قرآنی تصورِ اطاعت سیاسی نظم کو انتشار سے بچاتے ہوئے اقتدار کو اعلیٰ اخلاقی اصولوں کے تابع رکھتا ہے۔

حکمران کی ذمہ داری اور اس سے ہونے والی بازپرس کو واضح کرتے ہوئے صحیح البخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»8

ترجمہ :خبردار !تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا؛ پس لوگوں پر مقرر حکمران نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اس حدیث میں سیاسی اقتدار کو امتیاز سے زیادہ مسئولیت کی حیثیت دی گئی ہے۔«فَالْإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ» حکمران کو عوامی امور کا نگہبان قرار دیتا ہے، جبکہ «وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ» واضح کرتا ہے کہ یہ نگرانی جواب دہی سے خالی نہیں۔ اس تصور کی روشنی میں ریاستی وسائل، عوامی خزانہ، انتظامی اختیار اور شہریوں کے حقوق حکمران کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ اس کی ذمہ داری کے دائرے میں آتے ہیں۔ معاصر نظامِ حکمرانی میں اس اصول کا تقاضا ہے کہ حکومتی فیصلوں کے جائزے، مالی احتساب، ادارہ جاتی نگرانی اور اختیارات کے غلط استعمال کی بازپرس کے مؤثر طریقے موجود ہوں۔ محض انتخابات کا انعقاد کافی نہیں اگر منتخب صاحبِ اقتدار بعد میں عملی جواب دہی

7 Al-Nisāʾ, 4:59.

8 Muḥammad ibn Ismāʿīl al-Bukhārī, *Al-Jāmiʿ al-Musnad al-Ṣaḥīḥ al-Mukhtaṣar min Umūr Rasūl Allāh ﷺ wa Sunanih wa Ayyāmih*, ed. Muḥammad Zuhayr ibn Nāṣir al-Nāṣir, 9 vols. (Beirut: Dār Ṭawq al-Najāh, 1422 AH), Hadith no. 7138.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

سے بالاتر ہو جائے۔ اسی طرح احتساب کو صرف مخالفین کے خلاف استعمال کرنا بھی حقیقی جواب دہی نہیں۔ نبوی تصورِ مسئولیت اس بات کا متقاضی ہے کہ اختیار جتنا وسیع ہو، اس کے استعمال سے متعلق جواب دہی بھی اتنی ہی سنجیدہ ہو۔

حکمران اور رعایا کے تعلق میں معروف کی پابندی کی حد کو واضح کرتے ہوئے صحیح البخاری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»9

ترجمہ: نافرمانیِ الٰہی کے کام میں اطاعت نہیں؛ اطاعت صرف معروف میں ہے۔

یہ حدیث سیاسی اطاعت کی حدود کے تعین میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ اسلامی سیاسی نظم میں اطاعت اجتماعی استحکام اور نظم کے لیے ضروری ہے، لیکن اسے ظلم، معصیت یا واضح ناانصافی کے لیے غیر مشروط اجازت میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ «إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ» یہ اصول قائم کرتا ہے کہ سیاسی فرمانبرداری اخلاقی معیار سے جدا نہیں۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر فرد اپنی پسند یا سیاسی اختلاف کو بنیاد بنا کر اجتماعی نظم سے آزاد ہو جائے؛ بلکہ معروف اور منکر کے معتبر شرعی و اخلاقی معیار کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ جدید ریاست میں اس اصول سے قانون کی حکمرانی، حکومتی اختیارات کی تحدید، پرامن و قانونی احتساب اور ایسے ادارہ جاتی ذرائع کی اہمیت سامنے آتی ہے جن کے ذریعے ناجائز حکومتی اقدام کو چیلنج کیا جا سکے۔ اس طرح قرآن و سنت کی روشنی میں حکمران اور رعایا کا تعلق باہمی ذمہ داری پر قائم ہوتا ہے: حکمران عدل، امانت اور حقوق کے تحفظ کا ذمہ دار ہے، جبکہ شہری جائز نظم کی پاسداری کرتے ہوئے خیر میں تعاون اور ظلم و ناانصافی کے مقابلے میں ذمہ دارانہ اصلاح کی کوشش کے پابند ہیں۔

مبحث دوم: جدید سیاسی مظاہر اور قرآنی اصولِ حکمرانی

جدید سیاسی نظم میں جمہوریت، عوامی نمائندگی، آئینی حکومت، قانون کی حکمرانی، سیاسی جماعتیں، انتخابات اور انتقالِ اقتدار بنیادی ادارہ جاتی مظاہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ تصورات اپنی موجودہ شکل میں مخصوص تاریخی اور سیاسی تجربات کے نتیجے میں تشکیل پائے ہیں، اس لیے انہیں بعینہٖ قرآنی اصطلاحات کا مترادف قرار دینا درست نہیں۔ تاہم قرآنِ مجید کے شوریٰ، عدل، امانت، جواب دہی اور تحدیدِ اقتدار جیسے اصول ایسے معیارات فراہم کرتے ہیں جن کی روشنی میں جدید سیاسی اداروں اور طریقۂ کار کا علمی و تنقیدی جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

1۔ جمہوریت، عوامی نمائندگی اور قرآنی تصورِ شوریٰ

جدید جمہوریت میں عوامی شرکت، نمائندوں کا انتخاب اور اجتماعی فیصلہ سازی بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، جبکہ قرآنِ مجید اجتماعی معاملات میں شوریٰ کو اہلِ ایمان کی نمایاں صفت قرار دیتا ہے۔ دونوں تصورات کے تاریخی اور نظریاتی پس منظر میں فرق موجود ہے؛ اس لیے قرآنی شوریٰ کو جدید جمہوریت کا عین مترادف بنانے کے بجائے یہ دیکھنا زیادہ مناسب ہے کہ نمائندگی، مشاورت اور تحدیدِ اقتدار کے جدید طریقے قرآنی اصولوں سے کس حد تک ہم آہنگ ہو سکتے ہیں۔

:مشاورت کی عملی اہمیت واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ آلِ عمران میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیتا ہے

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّوا۟ مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَٱعْفُ عَنْهُمْ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى ٱلْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُتَوَكِّلِينَ﴾10

ترجمہ: پس اللہ کی رحمت ہی سے آپ ان کے لیے نرم ہوگئے، اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے گرد سے منتشر ہو جاتے؛ پس انہیں معاف کیجیے، ان کے لیے مغفرت طلب کیجیے اور معاملات میں ان سے مشورہ کیجیے، پھر جب آپ فیصلہ کر لیں تو اللہ پر بھروسا کیجیے، بے شک اللہ بھروسا کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

9 Al-Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Hadith no. 7145.
10 Āl ʿImrān, 3:159.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

اس آیت میں «وَشَاوِرْهُمْ فِي ٱلْأَمْرِ» اجتماعی معاملات میں مشاورت کی عملی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ منصبِ نبوت پر فائز ہونے کے باوجود اجتماعی امور میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورے کے مأمور ہوئے، جس سے سیاسی و اجتماعی قیادت میں خود رائی کے بجائے مشاورت کی اہمیت نمایاں ہوتی ہے۔ جدید جمہوریت میں پارلیمان، منتخب نمائندے، مقامی حکومتیں اور عوامی مشاورت کے مختلف طریقے سیاسی شرکت کی ادارہ جاتی صورتیں ہیں۔ ان تمام صورتوں کو بذاتِ خود قرآنی شوریٰ قرار نہیں دیا جاسکتا، لیکن جہاں یہ حقیقی مشاورت، اجتماعی مصلحت اور حکمران کی خودسری کو محدود کرنے کا ذریعہ بنیں وہاں شوریٰ کی بنیادی غایت سے مناسبت پیدا ہوسکتی ہے۔ اس کے برعکس اگر منتخب ادارے موجود ہوں لیکن فیصلہ سازی چند افراد، خاندانوں یا طاقت ور گروہوں تک محدود رہے تو محض انتخابی ڈھانچے کی موجودگی شوریٰ کی روح کو پورا نہیں کرتی۔ اس لیے قرآنی معیار میں سیاسی شرکت کی قدر اس کے نام سے زیادہ اس کی حقیقی، بامعنی اور ذمہ دارانہ نوعیت سے وابستہ ہے۔

اجتماعی زندگی میں تعاون کی اخلاقی حدود بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ المائدہ میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَتَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰۖ وَلَا تَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ﴾11

ترجمہ: نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔

اس آیت کا براہِ راست موضوع جدید جمہوریت یا عوامی نمائندگی نہیں، تاہم یہ اجتماعی تعاون کے لیے ایک واضح اخلاقی حد قائم کرتی ہے۔ جمہوری سیاسی نظام میں عوام، منتخب نمائندے، سیاسی جماعتیں اور ریاستی ادارے سب اجتماعی فیصلہ سازی میں مختلف سطحوں پر شریک ہوتے ہیں۔ قرآنی اصول کی روشنی میں یہ شرکت محض اکثریتی حمایت کی وجہ سے اخلاقی جواز حاصل نہیں کرتی؛ بلکہ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ اجتماعی فیصلہ عدل، خیر اور انسانی حقوق سے کس حد تک ہم آہنگ ہے۔ اکثریت اگر کسی واضح ظلم، امتیاز یا حق تلفی کی حمایت کرے تو صرف عددی برتری اس عمل کو اخلاقی طور پر درست نہیں بناتی۔ اسی طرح عوامی نمائندہ اپنے حلقے یا جماعت کی خواہش کا ترجمان ہونے کے ساتھ عدل اور اجتماعی خیر کا بھی ذمہ دار ہے۔ اس اعتبار سے قرآنی فکر عوامی شرکت کو اہمیت دیتے ہوئے اسے اخلاقی حدود سے مربوط کرتی ہے۔ یوں جدید جمہوریت اور قرآنی شوریٰ کے درمیان قابلِ مطالعہ اشتراک عوامی شرکت، مشاورت اور اقتدار کی تحدید میں پایا جاتا ہے، جبکہ بنیادی فرق یہ ہے کہ قرآنی تصور میں اجتماعی ارادہ بھی عدل، معروف اور اخلاقی جواب دہی کے اعلیٰ اصولوں سے آزاد نہیں ہوتا۔

2۔ آئین، قانون کی حکمرانی اور قرآنی تصورِ عدل و حاکمیت

جدید ریاست میں آئین حکومتی اداروں کے اختیارات، ریاست اور شہریوں کے باہمی تعلق اور بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے ایک بنیادی قانونی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، جبکہ قانون کی حکمرانی کا تقاضا ہے کہ حکمران اور شہری دونوں متعین قانونی حدود کے پابند ہوں۔ قرآنِ مجید کسی جدید تحریری آئین کی مخصوص ہیئت متعین نہیں کرتا، تاہم عدل، حق، امانت اور غیر جانب دارانہ فیصلہ سازی کے ایسے بنیادی اصول فراہم کرتا ہے جن کی روشنی میں آئینی حکومت اور قانون کی حکمرانی کی اخلاقی حیثیت کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

قانونی و سیاسی معاملات میں عدل اور غیر جانب داری کا نہایت جامع اصول بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ النساء میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُواْ قَوَّٰمِينَ بِٱلْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمْ أَوِ ٱلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَٱللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَاۖ فَلَا تَتَّبِعُواْ ٱلْهَوَىٰٓ أَن تَعْدِلُواْۚ وَإِن تَلْوُۥٓاْ أَوْ تُعْرِضُواْ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾12

ترجمہ: اے ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف ہو یا والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف۔ خواہ کوئی مال دار ہو یا محتاج، اللہ ان دونوں کا زیادہ خیر خواہ ہے۔ پس خواہش کی پیروی نہ کرو کہ انصاف سے ہٹ جاؤ، اور اگر تم بات کو توڑ مروڑ دو یا اعراض کرو تو بے شک اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

11 Al-Māʾidah, 5:2.
12 Al-Nisāʾ, 4:135.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

یہ آیت قانون کی غیر جانب دارانہ حکمرانی کے لیے ایک نہایت اہم اخلاقی بنیاد فراہم کرتی ہے۔«وَلَوْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمْ» اس امر کو نمایاں کرتا ہے کہ عدل صرف دوسروں پر نافذ کیا جانے والا اصول نہیں، بلکہ فیصلہ کرنے والے اور صاحبِ اختیار کو بھی اس کے سامنے جواب دہ ہونا چاہیے۔ اسی طرح امیر و غریب کی صراحت یہ بتاتی ہے کہ سماجی یا معاشی حیثیت انصاف کے معیار کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ جدید آئینی ریاست میں قانون کی حکمرانی کی بنیادی غایت بھی یہی ہے کہ ریاستی اقتدار قانونی حدود کے تابع ہو اور حکمران، سرکاری اہلکار اور عام شہری کے لیے قانون کا نفاذ غیر جانب دارانہ ہو۔ قرآنی نقطۂ نظر سے ایسا آئینی نظام جس میں حکمران اپنے لیے قانونی استثنا پیدا کرے، اداروں کو ذاتی مفاد کے لیے استعمال کرے یا طاقت ور اور کمزور کے لیے مختلف معیارات اختیار کیے جائیں، عدل کی روح سے متصادم ہو گا۔ اس لیے آئین کی حقیقی قدر صرف اس کے تحریری وجود میں نہیں بلکہ اس امر میں ہے کہ وہ اقتدار کو حدود کا پابند اور حقوق کے تحفظ کو عملی طور پر ممکن بنائے۔

قانونی فیصلوں کو حق اور عدل کے ساتھ مربوط کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ المائدہ میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَأَنِ ٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ وَٱحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَنۢ بَعْضِ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ إِلَيْكَ﴾13

ترجمہ :اور ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کیجیے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے، اور ان سے محتاط رہیے کہ کہیں وہ آپ کو اس کے کسی حصے سے ہٹا نہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیا ہے۔

یہ آیت قرآنی تصورِ حاکمیت کے قانونی پہلو کو نمایاں کرتی ہے کہ اجتماعی فیصلہ سازی کو محض شخصی خواہش، سیاسی مفاد یا طاقت ور گروہوں کے دباؤ کے تابع نہیں ہونا چاہیے۔ آیت کا مخصوص سیاق نبوی فیصلے اور وحیِ الٰہی سے متعلق ہے؛اس لیے جدید آئینی اداروں کی تمام تفصیلات براہِ راست اس آیت سے اخذ کرنا مناسب نہیں۔ تاہم «وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ» حکمرانی کے ایک اہم اصول کو واضح کرتا ہے کہ قانون سازی اور عدالتی فیصلہ ذاتی خواہشات اور مفاداتی دباؤ کے تابع نہ ہو۔ جدید ریاست میں آئین اسی وقت قرآنی تصورِ عدل کے قریب ہو سکتا ہے جب وہ محض طاقت ور طبقے کے مفادات کا تحفظ کرنے کے بجائے اقتدار کو منضبط کرے، بنیادی حقوق کی حفاظت کرے اور ریاستی اداروں کو منصفانہ ضابطوں کا پابند بنائے۔ اس تناظر میں حاکمیتِ الٰہیہ اور آئینی حکومت کے تعلق کو محض اصطلاحی تقابل کے بجائے اصولی سطح پر سمجھنا ضروری ہے: اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ اخلاقی و شرعی معیار فراہم کرتی ہے، جبکہ انسانی آئینی ادارے اپنے دائرۂ کار میں ان اصولوں کی تعبیر اور عملی تنظیم کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

قانونی مساوات اور قانون کے غیر امتیازی نفاذ کی اہمیت واضح کرتے ہوئے صحیح البخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَايْمُ اللَّهِ، لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»14

ترجمہ :اللہ کی قسم !اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹتا۔

اس حدیث کا پس منظر بنو مخزوم کی ایک عورت کے سرقہ اور اس کے حق میں سفارش سے متعلق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر سابقہ اقوام کی تباہی کا ایک سبب یہ بیان فرمایا کہ وہ بااثر شخص کے جرم کو نظر انداز کرتے جبکہ کمزور پر سزا نافذ کرتے تھے۔ اس نبوی تعلیم کا بنیادی اصول قانون کے غیر امتیازی نفاذ اور طاقت ور طبقے کو ناجائز قانونی استثنا نہ دینے سے متعلق ہے۔ جدید سیاسی نظام میں قانون کی حکمرانی اسی وقت حقیقی معنی اختیار کرتی ہے جب حکمران، وزیر، سرکاری عہدیدار، سیاسی رہنما اور عام شہری قانونی جواب دہی کے دائرے میں ہوں۔ اگر آئین بظاہر مساوات کا اعلان کرے لیکن عملی طور پر سیاسی اثر و رسوخ رکھنے والے افراد احتساب سے محفوظ رہیں تو قانونی نظام اپنی اخلاقی غایت پوری نہیں کرتا۔ قرآن و سنت کی روشنی میں آئینی حکمرانی کا مطلوبہ جوہر اس طرح محض اداروں یا قانونی دفعات کی موجودگی نہیں، بلکہ اقتدار کی تحدید، عدل کی بالادستی، قانون کا غیر جانب دارانہ نفاذ اور ہر صاحبِ اختیار کی حقیقی جواب دہی ہے۔

13 Al-Māʾidah, 5:49.
14 Al-Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Hadith no. 6788.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

3۔ سیاسی جماعتیں، انتخابات اور انتقالِ اقتدار: قرآنی اصولوں کی روشنی میں تجزیہ

جدید ریاست میں سیاسی جماعتیں عوامی آرا کو منظم کرنے، قیادت پیش کرنے اور سیاسی شرکت کے مواقع فراہم کرنے کا اہم ذریعہ ہیں، جبکہ انتخابات نمائندوں کے انتخاب اور انتقالِ اقتدار کا معروف طریقۂ کار بن چکے ہیں۔ قرآنِ مجید سیاسی جماعتوں یا جدید انتخابی نظام کی تفصیلی صورت متعین نہیں کرتا، تاہم اہلیت، امانت، عدل، اجتماعی ذمہ داری اور نزاع سے اجتناب جیسے اصول فراہم کرتا ہے جن کی روشنی میں ان جدید سیاسی مظاہر کی اخلاقی و اصولی جانچ کی جا سکتی ہے۔

سیاسی و انتظامی ذمہ داری کے لیے قوت اور امانت کی اہمیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ القصص میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿قَالَتْ إِحْدَىٰهُمَا يَٰٓأَبَتِ ٱسْتَـْٔجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ ٱسْتَـْٔجَرْتَ ٱلْقَوِىُّ ٱلْأَمِينُ﴾15

ترجمہ: ان دونوں عورتوں میں سے ایک نے کہا: ابا جان! انہیں اجرت پر رکھ لیجیے، بے شک بہترین شخص جسے آپ اجرت پر رکھیں وہ ہے جو طاقت ور اور امانت دار ہو۔

اس آیت کا براہِ راست سیاق کسی سیاسی انتخاب یا حکومتی منصب کی نامزدگی سے متعلق نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجرت پر رکھنے کے مشورے سے متعلق ہے۔ تاہم «ٱلْقَوِىُّ ٱلْأَمِينُ» میں اہلیت اور امانت کے دو ایسے عمومی اوصاف سامنے آتے ہیں جو ذمہ داری سپرد کرنے کے وسیع تر اخلاقی اصول کو سمجھنے میں معاون ہیں۔ جدید انتخابات میں امیدوار کا تعلق کسی مخصوص خاندان، جماعت یا بااثر طبقے سے ہونا بذاتِ خود سیاسی ذمہ داری کی اہلیت کا معیار نہیں ہونا چاہیے۔ نمائندے کے انتخاب میں انتظامی صلاحیت، کردار، دیانت، عوامی ذمہ داری اور منصب کے تقاضوں کو پورا کرنے کی قابلیت کو اہمیت دینا ضروری ہے۔ اسی طرح سیاسی جماعتوں کی ذمہ داری ہے کہ امیدواروں کے انتخاب میں محض انتخابی کامیابی، دولت یا گروہی اثر و رسوخ کو ترجیح دینے کے بجائے اہلیت اور امانت کو ملحوظ رکھیں۔ اس اصول سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انتخابی عمل صرف حقِ رائے دہی کا معاملہ نہیں بلکہ اجتماعی ذمہ داری سپرد کرنے کا عمل بھی ہے، اس لیے ووٹر اور سیاسی جماعت دونوں اپنے فیصلے کے اخلاقی نتائج سے لاتعلق نہیں رہ سکتے۔

اجتماعی اختلاف کو ایسی کشمکش میں تبدیل کرنے سے منع کرتے ہوئے جو اجتماعی قوت کو نقصان پہنچائے، اللہ تعالیٰ سورۃ الأنفال میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَأَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَا تَنَٰزَعُوا۟ فَتَفْشَلُوا۟ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۖ وَٱصْبِرُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ﴾16

ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نزاع نہ کرو، ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری قوت جاتی رہے گی، اور صبر کرو؛ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یہ آیت ہر سیاسی اختلاف یا جماعتی تنوع کی ممانعت نہیں کرتی؛ اس کا سیاق مسلمانوں کے اجتماعی نظم اور ایسی نزاع سے متعلق ہے جو ان کی قوت کو زائل کر دے۔ اس لیے جدید سیاسی جماعتوں کے وجود کو بذاتِ خود اس آیت کے منافی قرار دینا درست نہیں ہوگا۔ اصل مسئلہ سیاسی اختلاف کے طریقۂ اظہار اور اس کے نتائج کا ہے۔ مختلف جماعتیں پالیسی، انتظامی ترجیحات اور اجتماعی مسائل کے حل میں اختلاف رکھ سکتی ہیں، لیکن جب جماعتی مفاد قومی و اجتماعی مصلحت پر غالب آ جائے، مخالفین کو دشمن تصور کیا جانے لگے، جھوٹ اور کردار کشی سیاسی معمول بن جائیں یا اقتدار کے حصول کے لیے اجتماعی امن کو خطرے میں ڈالا جائے تو سیاسی مسابقت تباہ کن نزاع میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ قرآنی اصول اس امر کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ سیاسی اختلاف کو ضابطے، اخلاق، مکالمے اور اجتماعی خیر کی حدود میں رکھا جائے۔ اس طرح جماعتی تعدد اور سیاسی اختلاف کو لازماً انتشار کے مترادف قرار دینے کے بجائے اس کی اخلاقی نوعیت اور عملی اثرات کو معیار بنایا جانا چاہیے۔

اقتدار اور اجتماعی معاملات میں کیے گئے عہد و ذمہ داری کی پابندی کا اصول بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ النحل میں ارشاد فرماتا ہے:

15 Al-Qaṣaṣ, 28:26.
16 Al-Anfāl, 8:46.

﴿وَأَوْفُواْ بِعَهْدِ ٱللَّهِ إِذَا عَٰهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُواْ ٱلْأَيْمَٰنَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ ٱللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًاۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ﴾17

ترجمہ :اور جب تم عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو، جبکہ تم اللہ کو اپنے اوپر ضامن بنا چکے ہو۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

اس آیت میں عہد کی پاسداری کا عمومی اخلاقی اصول بیان ہوا ہے۔ جدید سیاسی نظم میں انتخابات، آئینی قواعد اور انتقالِ اقتدار ایسے اجتماعی معاہدات اور قانونی ضوابط کے تحت انجام پاتے ہیں جن کی پابندی سیاسی استحکام کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ اگر سیاسی فریق انتخابی قواعد کو صرف اپنی کامیابی تک قبول کرے، شکست کے بعد بلا معتبر دلیل پورے قانونی عمل کو مسترد کردے، یا صاحبِ اقتدار مقررہ قانونی حدود کے باوجود اقتدار منتقل کرنے سے گریز کرے تو سیاسی اعتماد شدید متاثر ہوتا ہے۔ اسی طرح انتخابی وعدوں اور سیاسی منشور کو محض جذباتی حمایت حاصل کرنے کا ذریعہ بنانا بھی سیاسی امانت کے مسئلے کو جنم دیتا ہے۔ تاہم عہد کی پاسداری کا مطلب یہ نہیں کہ کسی غیر عادلانہ یا غیر قانونی انتظام کو ہمیشہ برقرار رکھا جائے؛ اصلاح بھی طے شدہ قانونی اور پُرامن ذرائع کے ذریعے ممکن ہونی چاہیے۔ اس تناظر میں قرآنی اصول سیاسی جماعتوں اور انتخابی عمل کو صرف اقتدار حاصل کرنے کی مسابقت نہیں رہنے دیتا، بلکہ انہیں امانت، اہلیت، اخلاقی اختلاف، قواعد کی پابندی اور ذمہ دارانہ انتقالِ اقتدار سے مربوط کرتا ہے۔

مبحث سوم :معاصر سیاسی چیلنجز اور قرآن کے نظامِ حکمرانی کی عصری تطبیق

معاصر سیاسی نظاموں کو محض آئینی و انتظامی ساخت کے مسائل ہی درپیش نہیں بلکہ سیاسی استبداد، بدعنوانی، اختیارات کا ناجائز استعمال، انسانی حقوق کی پامالی، مذہبی و سماجی تنوع کے نظم اور ادارہ جاتی کمزوری جیسے سنگین چیلنجز بھی موجود ہیں۔ قرآنِ مجید ان جدید اصطلاحات کی تفصیلی ادارہ جاتی صورتیں بیان نہیں کرتا، تاہم ظلم کی ممانعت، عدل، امانت، انسانی حرمت اور جواب دہی کے ایسے مستقل اصول فراہم کرتا ہے جن کی روشنی میں معاصر سیاسی رویّوں اور اداروں کا تنقیدی جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

1۔سیاسی استبداد، بدعنوانی اور اختیارات کے ناجائز استعمال کا قرآنی تناظر

سیاسی استبداد اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اقتدار قانونی، اخلاقی اور ادارہ جاتی حدود سے بالاتر ہوکر چند افراد یا کسی مخصوص طبقے کے مفادات کا ذریعہ بن ،جائے۔ اسی طرح بدعنوانی عوامی وسائل اور سرکاری اختیار کو ذاتی، خاندانی یا جماعتی مفادات کے لیے استعمال کرنے سے جنم لیتی ہے۔ قرآنِ مجید ظلم تکبر، فساد اور ناحق مال حاصل کرنے کی مذمت کرتے ہوئے ایسے اصول پیش کرتا ہے جو سیاسی طاقت کے غیر ذمہ دارانہ استعمال کی بنیادی نفی کرتے ہیں۔سیاسی استبداد اور معاشرتی تقسیم کی ایک نمایاں قرآنی مثال فرعون کے طرزِ اقتدار میں سامنے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ القصص میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي ٱلْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيِۦ نِسَآءَهُمْۚ إِنَّهُۥ كَانَ مِنَ ٱلْمُفْسِدِينَ﴾18

ترجمہ :بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی اختیار کی اور اس کے باشندوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کردیا، ان میں سے ایک گروہ کو کمزور بناتا تھا، ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا؛ بے شک وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا۔

یہ آیت فرعونی اقتدار کی چند بنیادی خصوصیات کو نمایاں کرتی ہے :سیاسی برتری و سرکشی، معاشرے کو گروہوں میں تقسیم کرنا، ایک طبقے کو منظم انداز میں کمزور کرنا اور طاقت کے ذریعے ظلم کو برقرار رکھنا۔ اگرچہ فرعون کا تاریخی نظام اپنی مخصوص نوعیت رکھتا تھا، تاہم آیت میں بیان کردہ استبدادی رویّے جدید سیاسی تجزیے کے لیے اہم اخلاقی معیار فراہم کرتے ہیں۔ جب حکمران ریاستی اداروں کو اپنی شخصی بالادستی کے لیے استعمال کرے، معاشرے

17 Al-Naḥl, 16:91.
18 Al-Qaṣaṣ, 28:4.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

کے مختلف طبقات کو باہم تقسیم کرکے اقتدار مضبوط کرے یا کمزور گروہوں کے حقوق کو سیاسی مفاد کے لیے پامال کرے تو ایسا طرزِ عمل قرآنی تصورِ حکمرانی کے بنیادی اصولوں سے متصادم ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے سیاسی استبداد صرف انتخابات کی عدم موجودگی کا نام نہیں؛ منتخب نظام میں بھی اگر ادارے شخصی اقتدار کے تابع ہوجائیں، احتساب غیر مؤثر ہو اور مخالف آوازوں کے جائز حقوق سلب کیے جائیں تو استبدادی رجحانات پیدا ہوسکتے ہیں۔ قرآن فرعونی طرزِ اقتدار کو قوت و کامیابی کے نمونے کے بجائے فساد کے طور پر پیش کرکے سیاسی طاقت کی اخلاقی تحدید کی ضرورت واضح کرتا ہے۔

مالی بدعنوانی اور ناجائز ذرائع سے حکام کو متاثر کرنے کی ممانعت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوٓاْ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ وَتُدْلُواْ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواْ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾19

ترجمہ :اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ اور نہ انہیں حاکموں تک اس غرض سے پہنچاؤ کہ جانتے بوجھتے لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ۔

یہ آیت بدعنوانی کے اس پہلو کو براہِ راست موضوع بناتی ہے جس میں مالی مفاد کے لیے حکام یا فیصلہ سازوں تک ناجائز ذرائع سے رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ جدید سیاسی ماحول میں رشوت، سرکاری ٹھیکوں میں ناجائز مفاد، اثر و رسوخ کے ذریعے قومی وسائل حاصل کرنا اور عوامی عہدے کو ذاتی مالی منفعت کے لیے استعمال کرنا اسی وسیع اخلاقی مسئلے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔ بدعنوانی کا نقصان صرف سرکاری خزانے تک محدود نہیں رہتا؛ یہ شہریوں کے ریاستی اداروں پر اعتماد، وسائل کی منصفانہ تقسیم اور قانون کی مساوی عمل داری کو بھی متاثر کرتی ہے۔ قرآنی اصول کی روشنی میں بدعنوانی کی روک تھام کے لیے صرف فرد کی اخلاقی اصلاح کافی نہیں بلکہ ایسے مؤثر ادارہ جاتی انتظامات بھی ضروری ہیں جو مالی معاملات میں شفافیت، آزادانہ نگرانی اور غیر جانب دار احتساب کو یقینی بنائیں۔ خصوصاً حکمران اور اعلیٰ عہدیدار اگر احتساب سے مستثنیٰ ہوجائیں تو امانت اور عدل کے وہ اصول کمزور ہوجاتے ہیں جن پر صالح حکمرانی قائم ہوتی ہے۔

سرکاری منصب اور عوامی ذمہ داری سے فائدہ اٹھا کر ذاتی تحائف حاصل کرنے کی سنگینی ایک نبوی واقعے سے بھی واضح ہوتی ہے۔ صحیح البخاری میں حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ أَوْ بَيْتِ أُمِّهِ فَيَنْظُرَ أَيُهْدَىٰ لَهُ أَمْ لَا»20

ترجمہ :پھر وہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا، تاکہ دیکھتا کہ اسے تحفہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟

یہ نبوی ارشاد عوامی منصب اور ذاتی منفعت کے درمیان واضح اخلاقی حد قائم کرتا ہے۔ متعلقہ عامل کو ملنے والا تحفہ بظاہر رضاکارانہ تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے یہ سوال اٹھایا کہ اگر وہ سرکاری ذمہ داری پر مامور نہ ہوتا تو کیا اسے یہ تحفہ ملتا؟ یہی سوال جدید سیاسی بدعنوانی کے تجزیے میں بھی بنیادی ،اہمیت رکھتا ہے۔ سرکاری منصب کی وجہ سے ملنے والے تحائف، مالی فوائد، کاروباری رعایتیں یا دیگر مراعات مفادات کے تصادم کا سبب بن سکتی ہیں ،خواہ انہیں براہِ راست رشوت کا نام نہ دیا جائے۔ اس نبوی اصول کی روشنی میں حکومتی عہدیداروں کے لیے مالی شفافیت، تحائف سے متعلق واضح ضابطے مفادات کے تصادم کا اعلان اور عوامی وسائل کے ذاتی استعمال کی ممانعت محض انتظامی تدابیر نہیں بلکہ امانتِ اقتدار کے اخلاقی تقاضے بھی ہیں۔ یوں قرآن و سنت سیاسی استبداد اور بدعنوانی کے مقابلے میں ایسا تصور پیش کرتے ہیں جس میں اقتدار محدود، عوامی منصب امانت، قومی وسائل محفوظ حق اور ہر صاحبِ اختیار قابلِ احتساب ہوتا ہے۔

2۔ انسانی حقوق، مذہبی وسماجی تکثیریت اور اقلیتوں کے تحفظ کے قرآنی اصول

معاصر ریاستیں مذہبی، فکری، ثقافتی اور سماجی تنوع کی حامل ہیں۔ ایسے معاشروں میں نظامِ حکمرانی کی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ مختلف طبقات کے بنیادی حقوق، انسانی وقار، مذہبی آزادی اور قانونی تحفظ کو یقینی بنایا جائے۔ قرآنِ مجید انسانی تکریم، عدمِ اکراہ، عدل اور غیر محارب گروہوں کے ساتھ حسنِ

19 Al-Baqarah, 2:188.
20 Al-Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Hadith no. 7174.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

سلوک جیسے اصول فراہم کرتا ہے۔ ان اصولوں کی روشنی میں جدید کثیر مذہبی معاشرے میں اکثریت اور اقلیت کے تعلق کو محض سیاسی طاقت کے بجائے عدل، انسانی حرمت اور ذمہ دارانہ بقائے باہمی کی بنیاد پر استوار کیا جاسکتا ہے۔

انسانی حقوق کی قرآنی بنیادوں میں انسانی تکریم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الإسراء میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنَٰهُمْ فِي ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَفَضَّلْنَٰهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾21

ترجمہ :اور یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی، انہیں خشکی اور سمندر میں سواریاں دیں، انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فضیلت دی۔

اس آیت میں تکریم کو «بَنِيٓ ءَادَمَ» کے ساتھ متعلق کیا گیا ہے، جو انسانی وقار کے ایک وسیع اصول کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ریاستی نظم میں اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کے بنیادی احترام کو مذہب، نسل، زبان، طبقے یا سیاسی وابستگی کی بنیاد پر کلیتاً ساقط نہ کیا جائے۔ شہریوں کی جان، عزت، املاک اور بنیادی قانونی حقوق کا تحفظ منصفانہ حکمرانی کا حصہ ہے۔ معاصر انسانی حقوق کے تمام فلسفیانہ تصورات کو اس ایک آیت کا براہِ راست مترادف قرار دینا درست نہیں، کیونکہ جدید حقوقی مباحث کی اپنی تاریخی اور نظریاتی تشکیل ہے؛ تاہم انسانی تکریم کا قرآنی اصول ریاستی پالیسی کے لیے ایک مضبوط اخلاقی اساس ضرور فراہم کرتا ہے۔ خصوصاً کسی مذہبی یا سماجی اقلیت کو محض اس کی شناخت کی وجہ سے تحقیر، غیر منصفانہ قانونی سلوک یا اجتماعی سزا کا نشانہ بنانا انسانی تکریم کے اس عمومی اصول سے ہم آہنگ نہیں۔ یوں قرآن میں انسانی وقار سیاسی حقوق اور ریاستی ذمہ داری کے اخلاقی پس منظر کی تشکیل کرتا ہے۔

مذہبی اختیار کے ایک بنیادی اصول کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَآ إِكْرَاهَ فِي ٱلدِّينِۖ قَد تَّبَيَّنَ ٱلرُّشْدُ مِنَ ٱلْغَيِّ﴾22

ترجمہ :دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں؛ ہدایت گمراہی سے واضح ہوچکی ہے۔

«لَآ إِكْرَاهَ فِي ٱلدِّينِ» مذہبی جبر کے مسئلے میں بنیادی قرآنی نص ہے۔ ایمان اپنی حقیقت میں شعوری قبولیت سے وابستہ ہے، اس لیے محض سیاسی قوت کے ذریعے کسی انسان کے باطن میں حقیقی ایمان پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ معاصر کثیر مذہبی ریاست میں اس اصول کی روشنی میں غیر مسلم شہریوں کے مذہبی وجود اور ان کے جائز مذہبی معاملات کے تحفظ کی اہمیت سامنے آتی ہے۔ تاہم جدید اصطلاح مذہبی آزادی کے تمام قانونی اور فلسفیانہ مباحث کو اس مختصر آیت سے بلا تفصیل اخذ کرنا علمی احتیاط کے خلاف ہوگا؛ فقہی روایت میں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی بحث موجود ہے۔ زیرِ نظر سیاسی تناظر میں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ ریاستی طاقت کو مذہبی جبر اور شہریوں کی مذہبی شناخت کی بنیاد پر ظلم کا ذریعہ نہیں بننا چاہیے۔ ایک قرآنی اصول سے رہنمائی لینے والی ریاست میں مذہبی اختلاف سیاسی انتقام، اجتماعی تحقیر یا بنیادی شہری تحفظ سے محرومی کا سبب نہیں بن سکتا۔ غیر محارب مختلف مذہبی گروہوں کے ساتھ تعلق کی اخلاقی بنیاد واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ الممتحنۃ میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَّا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ فِي ٱلدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓاْ إِلَيْهِمْۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ﴾23

ترجمہ :اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا؛ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

یہ آیت مذہبی اختلاف اور سیاسی دشمنی کے درمیان ایک اہم فرق قائم کرتی ہے۔ مختلف مذہبی شناخت بذاتِ خود ظلم یا ناانصافی کا جواز نہیں بنتی۔ »أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓاْ إِلَيْهِمْ« میں نیکی اور انصاف دونوں کا ذکر اس امر کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ پُرامن غیر مسلم گروہوں کے ساتھ تعلق صرف عدمِ تشدد تک محدود نہیں بلکہ منصفانہ اور حسنِ سلوک پر مبنی ہونا چاہیے۔ جدید ریاست میں اس اصول کا اطلاق اس امر پر کیا جاسکتا ہے کہ مذہبی

21 Al-Isrāʾ, 17:70.
22 Al-Baqarah, 2:256.
23 Al-Mumtaḥanah, 60:8.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

اقلیتوں کو قانون کے جائز تحفظ، جان و مال کی سلامتی اور ریاستی انصاف سے محروم نہ رکھا جائے۔ اسی طرح کسی فرد کے جرم کو اس کے پورے مذہبی یا سماجی گروہ سے منسوب کرکے اجتماعی انتقام لینا قرآنی عدل کے اصول سے متصادم ہوگا۔ البتہ جدید شہریت اور تاریخی اسلامی قانونی تصورات کے درمیان فقہی و آئینی تفصیلات الگ علمی بحث کا تقاضا کرتی ہیں۔ بنیادی قرآنی معیار یہ ہے کہ مذہبی تکثیریت کی موجودگی میں ریاست کا رویہ محض عددی اکثریت کی طاقت پر نہیں بلکہ عدل، انسانی وقار اور غیر محارب شہریوں کے ساتھ منصفانہ طرزِ عمل پر قائم ہو۔ اس طرح انسانی تکریم، عدمِ اکراہ اور قسط کے اصول ایک ایسے سیاسی نظم کی بنیاد فراہم کرتے ہیں جس میں مذہبی و سماجی تنوع کو ظلم، امتیاز اور استحصال کا جواز بنانے کے بجائے منصفانہ اجتماعی نظم کے اندر محفوظ کیا جائے۔

3۔ جدید ریاست میں قرآنی نظامِ حکمرانی کی تشکیل: امکانات، چیلنجز اور عملی تقاضے

جدید ریاست ایک پیچیدہ ادارہ جاتی ساخت رکھتی ہے جس میں آئین، مقننہ، انتظامیہ، عدلیہ، سیاسی نمائندگی، شہری حقوق، احتسابی ادارے اور بین الاقوامی ذمہ داریاں باہم مربوط ہیں۔ اس لیے قرآنی نظامِ حکمرانی کی عصری تطبیق کو محض تاریخی سیاسی صورتوں کی بعینہٖ بازیافت کے بجائے قرآن کے بنیادی اصولوں—عدل، امانت، شوریٰ، انسانی حرمت، جواب دہی اور اجتماعی مصلحت—کی مؤثر ادارہ جاتی تشکیل کے تناظر میں سمجھنا ضروری ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ ان مستقل اقدار کو جدید ریاستی اداروں، قوانین اور سیاسی رویّوں میں کس طرح عملی طور پر مؤثر بنایا جاسکتا ہے۔

ریاستی اقتدار اور اجتماعی ذمہ داری کا بنیادی مقصد عدل کے قیام سے مربوط کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ الحدید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِٱلْبَيِّنَٰتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْمِيزَانَ لِيَقُومَ ٱلنَّاسُ بِٱلْقِسْطِ﴾24

ترجمہ: یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

اس آیت میں «لِيَقُومَ ٱلنَّاسُ بِٱلْقِسْطِ» ایک ایسی اجتماعی غایت کی نشان دہی کرتا ہے جس میں عدل صرف حکمران کی شخصی خوبی نہیں رہتا بلکہ معاشرے میں قائم ہونے والی عملی قدر بن جاتا ہے۔ جدید ریاست میں اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ عدل کو صرف آئینی اعلان یا سیاسی نعرے تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ ایسے ادارے تشکیل دیے جائیں جو شہریوں کے حقوق، غیر جانب دار عدالتی نظام، منصفانہ انتظامیہ اور حکومتی جواب دہی کو یقینی بنائیں۔ اس زاویے سے قرآنی نظامِ حکمرانی کی عصری تشکیل کسی ایک تاریخی انتظامی قالب کی نقل سے زیادہ ان مقاصد کی ادارہ جاتی تکمیل سے متعلق ہے۔ پارلیمان، عدلیہ، مقامی حکومت، احتسابی ادارے اور دیگر جدید انتظامی صورتیں اپنی ذات میں مقاصد نہیں بلکہ وسائل ہیں؛ ان کی قرآنی اصولوں سے مناسبت کا فیصلہ اس بنیاد پر ہوگا کہ وہ عدل، امانت، شوریٰ اور اجتماعی خیر کو کس حد تک مؤثر بناتی ہیں۔

اجتماعی ذمہ داری اور خیر کی ادارہ جاتی حفاظت کے حوالے سے اللہ تعالیٰ سورۃ آل عمران میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى ٱلْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ﴾25

ترجمہ: اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے، اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

یہ آیت اجتماعی سطح پر خیر کے فروغ اور برائی کی روک تھام کی ذمہ داری کو نمایاں کرتی ہے۔ جدید سیاسی تناظر میں اس عمومی اصول سے ریاستی اور سماجی احتساب کی اہمیت سمجھی جاسکتی ہے، اگرچہ کسی مخصوص جدید ادارے کو براہِ راست اس آیت کا مصداق قرار دینا علمی احتیاط کے خلاف ہوگا۔ آزاد عدلیہ، شفاف احتسابی نظام، پارلیمانی نگرانی، آزاد علمی و سماجی ادارے اور ذمہ دار شہری شرکت ایسے ممکنہ ذرائع ہیں جو اقتدار کے غلط استعمال کی روک تھام میں کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو غیر قانونی جبر، شخصی انتقام یا ہجوم کے اختیار کا

---

24 Al-Ḥadīd, 57:25.
25 Āl ʿImrān, 3:104.

جواز نہ بنایا جائے۔ جدید ریاست میں اس ذمہ داری کی مؤثر صورت قانونی ضابطے، منصفانہ طریقۂ کار اور ایسے اداروں کے ذریعے سامنے آسکتی ہے جن میں الزام، تحقیق، سماعت اور فیصلے کے واضح اصول موجود ہوں۔ اس طرح اجتماعی اصلاح قانون اور عدل کے تابع رہتے ہوئے سیاسی جواب دہی کو تقویت دے سکتی ہے۔ ریاستی نظم کی عملی کامیابی میں منصب کے اہل افراد کے انتخاب کی اہمیت صحیح البخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ»26

ترجمہ :جب معاملات نااہل لوگوں کے سپرد کردیے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔

یہ نبوی ارشاد اہلیت اور ذمہ داری کے تعلق کو نہایت واضح انداز میں بیان کرتا ہے۔ جدید ریاست میں بہترین آئینی دفعات اور ادارے بھی اس وقت مطلوبہ نتائج پیدا نہیں کرسکتے جب اہم ذمہ داریاں نااہلی، اقربا پروری، جماعتی وفاداری، خاندانی تعلق یا مالی اثر و رسوخ کی بنیاد پر تقسیم ہوں۔ ریاستی اداروں کی مضبوطی کے لیے اہلیت، دیانت اور پیشہ ورانہ قابلیت پر مبنی تقرریاں بنیادی ضرورت ہیں۔ اسی طرح انتخابی سیاست میں بھی صرف مقبولیت کو سیاسی اہلیت کا مکمل معیار قرار دینا کافی نہیں؛ عوامی نمائندگی کے ساتھ انتظامی صلاحیت، دیانت، آئینی شعور اور جواب دہی کا احساس بھی ضروری ہے۔ اس اصول کا اطلاق صرف حکمران پر نہیں بلکہ عدلیہ، انتظامیہ، سرکاری اداروں اور دیگر ذمہ دار مناصب پر بھی ہوتا ہے۔ قرآنی نظامِ حکمرانی کی جدید تشکیل کے سامنے ایک اہم چیلنج یہ ہے کہ مستقل قرآنی اقدار اور متغیر سیاسی طریقۂ کار کے درمیان فرق کو واضح رکھا جائے۔ قرآن عدل، امانت، شوریٰ اور انسانی حرمت جیسے اصول فراہم کرتا ہے، لیکن جدید وزارتوں، پارلیمانی کمیٹیوں، انتخابی حلقوں یا آئینی عدالتوں کی تفصیلی ساخت متعین نہیں کرتا۔ لہٰذا عصری اجتہاد کا تقاضا یہ ہے کہ جدید اداروں کو محض ان کے تاریخی ماخذ کی بنیاد پر قبول یا رد کرنے کے بجائے ان کے مقاصد، نتائج اور قرآنی اصولوں سے مطابقت کا جائزہ لیا جائے۔ جو ادارہ اقتدار کو جواب دہ بنائے، شہری حقوق محفوظ کرے، حقیقی مشاورت ممکن بنائے اور عدل کے نفاذ میں معاون ہو، اسے مناسب شرعی و آئینی حدود کے اندر اجتماعی مصلحت کے وسیلے کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ اسی طرح جدید ریاست میں قرآنی حکمرانی کی تشکیل صرف قوانین میں مذہبی اصطلاحات شامل کرنے سے مکمل نہیں ہوتی۔ اگر آئینی زبان اسلامی ہو لیکن بدعنوانی، اقربا پروری، ناانصافی، غیر شفاف فیصلہ سازی اور اختیارات کا ناجائز استعمال برقرار رہے تو قرآنی حکمرانی کی بنیادی غایات حاصل نہیں ہوتیں۔ مؤثر عصری تطبیق کے لیے آئینی بالادستی، آزاد اور غیر جانب دار عدلیہ، حقیقی شوریٰ و نمائندگی، شفاف مالی نظم، مؤثر احتساب، اہل قیادت، بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ اور پُرامن انتقالِ اقتدار جیسے عملی تقاضوں کو باہم مربوط کرنا ضروری ہے۔ اس طرح جدید ریاست میں قرآنی نظامِ حکمرانی کا قابلِ عمل تصور کسی جامد تاریخی نمونے کے بجائے مستقل قرآنی اقدار اور متغیر ادارہ جاتی وسائل کے درمیان ایک اصولی، اجتہادی اور ذمہ دارانہ تعلق قائم کرنے سے تشکیل پاتا ہے۔

نتائج و خلاصۂ بحث

1۔ قرآنِ مجید سیاسی اقتدار کو مطلق، شخصی اور غیر محدود اختیار کے بجائے امانت، ذمہ داری اور جواب دہی کے تصور سے مربوط کرتا ہے۔ حاکمیتِ الٰہیہ اس امر کی بنیاد فراہم کرتی ہے کہ انسانی اقتدار اعلیٰ اخلاقی و شرعی اصولوں سے آزاد نہیں ہو سکتا۔

2۔ عدل، شوریٰ اور امانت قرآنی نظامِ حکمرانی کے بنیادی اصول ہیں۔ ان اصولوں کی حقیقی تطبیق کے بغیر محض اسلامی سیاسی اصطلاحات یا ظاہری ادارہ جاتی ڈھانچہ صالح حکمرانی کی ضمانت نہیں بن سکتا۔

3۔ حکمران اور شہریوں کا تعلق باہمی حقوق و ذمہ داریوں پر قائم ہے۔ حکمران عوامی حقوق، عدل، امانت اور وسائل کے تحفظ کا ذمہ دار ہے، جبکہ شہریوں پر جائز اجتماعی نظم کی پاسداری اور خیر و معروف میں تعاون کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ سیاسی اطاعت بھی معروف اور اعلیٰ اخلاقی اصولوں کے دائرے میں رہتی ہے۔

4۔ جدید جمہوریت اور قرآنی شوریٰ کو مکمل طور پر مترادف قرار دینا درست نہیں؛ تاہم عوامی شرکت، حقیقی مشاورت، نمائندگی، جواب دہی اور شخصی اقتدار کی تحدید جیسے عناصر قرآنی تصورِ شوریٰ سے اصولی مناسبت رکھتے ہیں۔ اکثریت کی رائے بھی عدل اور اخلاقی حدود سے بالاتر نہیں ہو سکتی۔

26 Al-Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Hadith no. 59.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

5۔ آئین اور قانون کی حکمرانی اس وقت قرآنی تصورِ عدل سے ہم آہنگ ہوسکتے ہیں جب قانون حکمران اور شہری دونوں پر غیر جانب دارانہ طور پر نافذ ہو، طاقت ور طبقات کو ناجائز استثنا حاصل نہ ہو اور ریاستی ادارے بنیادی حقوق اور انصاف کے تحفظ میں مؤثر کردار ادا کریں۔

6۔ سیاسی جماعتیں، انتخابات اور پُر امن انتقالِ اقتدار جدید سیاسی طریقۂ کار ہیں جن کی قدر و حیثیت ان کے عملی نتائج اور اخلاقی معیار سے متعین ہو گی۔ اہلیت، امانت، دیانت، قواعد کی پابندی اور اجتماعی مصلحت ان کے جائز اور مفید استعمال کے بنیادی معیارات ہیں۔

تجاویز و سفارشات

1۔ مسلم معاشروں میں نظامِ حکمرانی کی اصلاح کے لیے صرف سیاسی ڈھانچے کی تبدیلی کے بجائے عدل، امانت، شوریٰ، اہلیت اور جواب دہی کو ریاستی اداروں کی عملی بنیاد بنایا جائے۔

2۔ آئینی و قانونی نظام میں ایسے مؤثر ادارہ جاتی انتظامات مضبوط کیے جائیں جو حکمران، سرکاری عہدیدار اور دیگر صاحبانِ اختیار کو حقیقی اور غیر جانب دار احتساب کے دائرے میں رکھیں۔

3۔ شوریٰ کو محض رسمی مشاورت تک محدود رکھنے کے بجائے عوامی نمائندگی، ماہرین کی شرکت، پارلیمانی نگرانی اور شفاف فیصلہ سازی کے ذریعے مؤثر بنایا جائے۔

4۔ سیاسی جماعتوں اور انتخابی اداروں میں امیدواروں کے انتخاب، مالی معاملات اور سیاسی سرگرمیوں کے لیے امانت، اہلیت، شفافیت اور قانونی جواب دہی کے واضح معیارات اختیار کیے جائیں۔

5۔ مذہبی، سماجی اور سیاسی اختلاف کے باوجود تمام شہریوں کی انسانی حرمت، بنیادی حقوق اور منصفانہ قانونی تحفظ کو یقینی بنایا جائے اور مذہبی یا سیاسی شناخت کو ناانصافی کا جواز نہ بنایا جائے۔

6۔ جدید ریاستی مسائل کے حل کے لیے قرآن و سنت کے مستقل اصولوں، فقہی و مقاصدی روایت اور معاصر سیاسی و آئینی علوم کے درمیان سنجیدہ علمی مکالمہ اور اجتماعی اجتہاد فروغ دیا جائے، تاکہ قرآنی نظامِ حکمرانی کی عصری تطبیق محض نظری بحث کے بجائے قابلِ عمل ادارہ جاتی صورت اختیار کر سکے۔

مصادر و مراجع

Al-Qurʾān al-Karīm.

Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl. *Al-Jāmiʿ al-Musnad al-Ṣaḥīḥ al-Mukhtaṣar min Umūr Rasūl Allāh ﷺ wa Sunanih wa Ayyāmih*. Ed. Muḥammad Zuhayr ibn Nāṣir al-Nāṣir. 9 vols. Beirut: Dār Ṭawq al-Najāh, 1422 AH.